سوچیئے

ڈاکٹر وسیم احمد صدیقی

ایک دن شام کو میں آفس سے گھر آیا دیکھا تو گھر میں ماموں صاحب آئے ہوئے ہیں، کہیئے جناب کیا مشغولیات ہیں ماموں میاں نے پوچھا، میں نے کہا۔ جی گھر سے دفتر اور دفتر سے گھر۔ بولے اور کوئی کام نہیں۔ میں نے کہا: اور کسی بات کی فرصت ہی نہیں۔ بولے تمہیں معلوم ہے قوم کہاں جارہی ہے۔ میں نے کہا کہاں جارہی ہے۔ تو کڑک کر بولے تم سب لوگ بالکل خودغرض ہو، بس اپنے علاوہ کچھ سوچتے نہیں۔ اب ماموں کڑکنے برسنے لگے تھے، خاندان کے سب ہی لوگ اُن کی گھن گرج سے پریشان رہتے تھے۔ کہنے لگے میں قوم کے غم میں مرا جارہا ہوں۔ راتوں کی نیند اُڑ گئی ہے۔ اور ایک آپ لوگ ہیں بالکل خودغرض۔ بتایئے میں نے کتنے لوگوں کو ہائی اسکول پاس کروایا کسی کو ڈپلوما میں داخل کروایا۔ کسی کو انجینیرنگ کے امتحان میں بٹھایا۔ خود اُن لڑکوں کے فارم بھرتا تھا۔ کتنے ہی لڑکے جو سوائے مٹرگشتی کے کچھ اور نہیں کرتے تھے اب اُنکے کیریر بن گئے ہیں۔ آپ بتائے، آپ نے اپنے سوا دوسروں کے لئے کیا کیا۔ کتنوں کو اسکول اور کالج میں داخل کروایا کتنوں کو مقابلہ کے امتحانات میں بیٹھنے کی ترغیب دی۔ آپ نے اب تک کیا کیا بتایئے۔ اپنے بچوں کا اسکول میں ایڈمیشن کا معاملہ تھا تو آپ نے کیا کیا نہ کیا ذرا دوسروں کیلئے بھی تھوڑا سوچ لیا کیجئے، ماموں گھن گرج کے ساتھ تقریر کرتے چل دیئے، اور میں سوچنے لگا واقعی ماموں صحیح کہتے ہیں۔ قوم کی حالت بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے، کچھ کرنا چاہیئے۔ سوچا اپنے محلے سے ہی شروعات کی جائے۔ دوسرے دن اتوار تھا۔ میں ناشتہ وغیرہ کرکے گھر سے باہر نکل گیا۔ سوچا جاوید کے یہاں ہوآؤں۔ ایک دن جاوید اپنے بھائی آصف کا بہت رونا رو رہا تھا کہ کچھ پڑھ کر ہی نہیں دیتا، دنیا کا کام اُس سے کرالو لیکن پڑھنے کو نہ کہو۔ میں جاوید کے یہاں پہونچا، تھوڑی دیر جاوید سے گپ شپ کرنے کے بعد میں نے سوچا اب کاروائی شروع کی جائے، یہ آصف کہاں ہے، میں نے جاوید سے دریافت کیا۔ اس وقت کیرم کھیل رہا ہے۔ میں نے کہا ذرا بلاؤ جاوید نے وہیں سے آصف کو آواز لگائی۔ آیا بھائی صاحب آصف اندر سے بولا۔ تقریباً ۱۵ منٹ بعد نمودار ہوا۔ اُسکی خیریت پوچھنے کے بعد میں نے دریافت کیا کہ اِس بار انہوں نے ہائی اسکول کا فارم کیوں نہیں بھرا۔ بولے جی اب پڑھائی سے دل ٹوٹ گیا ہے۔ ویسے تو دل ٹوٹنے کی بہت سی وجوہات ہوتی ہیں لیکن یہ بالکل ایک نیا اضافہ تھا۔ میں نے پوچھا وہ کیسے بولے، اجی دو سال سے تو فیل ہورہا ہوں۔ کیا فائدہ بلاوجہ فارم بھرتا جاؤں ایسے خالی فارم بھرنے سے کیسے پاس ہوجاؤنگا۔ پاس ہونے کیلئے پڑھنا بھی پڑتا ہے۔ اور پڑھنا میرے بس کی بات نہیں، اب جاوید کا پارہ چڑھنا شروع ہوگیا۔ اُس نے غصہ کی بالکل پرواہ نہ کرتے ہوئے بھائی آصف بولے۔ اجی آپ مجھے فوٹو اسٹیٹ کی دوکان کھلوادو۔ میں نے سوچا دونوں بھائیوں کے ڈائیلاگ کچھ دیر اور چلے تو میں بالکل ہی پسپا ہوجاؤنگا، میں نے سنبھالا لیا اور بولا دیکھو آصف

،خالی فوٹو اسٹیٹ کی دوکان سے تم کتنا کمالو گے۔مہنگائی جانتے ہوکتنی ہوگئی ہے۔اور کتنا کمپیٹیشن بھی ہوگیا ہے۔اب تو گلی گلی میں فوٹو اسٹیٹ کی دوکانیں کھل گئی ہیں۔تم اگر محنت سے پڑھ لوگے تو تمہیں اچھی نوکری مل جائیگی۔ورنہ بتاؤ سب لوگ کیا کہیں گے کہ تحصیلدار صاحب جیسے قابل آدمی کا لڑکا جاہل ہے۔اور اگر پڑھائی میں تمہیں میری کچھ ضرورت ہوتو جب جی چاہے آجایا کرو میں پڑھادیا کرونگا۔میں نے سوچا آج کیلئے اتنا ہی کافی ہے۔پھر میں وہاں سے روانہ ہوگیا۔چلتے چلتے مجھے آصف کی بڑبڑاہٹ صاف سنائی دی تھی کہ بھر دیا فارم۔

دوسرے دن میں گارڈ صاحب کے گھر پر وارد ہوا۔گارڈ صاحب بھی اپنے لڑکے کی بدشوقی سے پریشان تھے۔کہیئے گارڈ صاحب، حامد میاں کی پڑھائی کیسی چل رہی ہے۔اب تم ہی اُس سے بات کرو، گارڈ صاحب نے ایک زوردار آواز دیکر اُسے بلایا۔ارے وہ بازار گیا ہے۔گارڈ صاحب کی بیگم اندر سے بولیں۔ارے ابھی تو بازار سے آیا تھا پھر گیا ہے۔ہاں سبزی تو لے آیا تھا ہرا دھنیا بھول آیا وہی منگایا ہے۔ارے تم ایسے ہی اُسے دس دس بار جب بازار بھیجوگی تو کیا وہ خاک پڑھائی پر توجہ دیگا۔ارے وہ تو خوشی خوشی جاتا ہے۔آپ ہی بلاوجہ بیچ میں بولا کرتے ہیں۔اس سے پہلے کہ گارڈ صاحب کچھ اور جواب دیتے میں نے سوچا اب سیز فائر ہوجانا چاہیئے ورنہ گارڈ صاحب کی بیگم کا موڈ زیادہ خراب ہوا تو چائے بھی نہیں ملے گی میں نے وہیں کمرے سے ہانک لگائی ارے چچی السلام علیکم۔گارڈ صاحب کی بیگم کو میں چچی کہتا تھا۔حالانکہ چچی ہمارے سامنے نہیں آتی تھیں لیکن پردے کے باوجود اُن سے کافی باتیں ہوجاتی تھیں۔ارے تم ہو، خوش رہو میاں، اتنے دنوں بعد کیسے بھول پڑے۔میں نے کہا کافی دنوں سے آپ کے ہاتھ کی چائے نہیں ملی تھی۔سوچا چل کر پی آؤں۔ہاں ہاں ضرور ابھی بناتی ہوں، بس ذرا حامد کو آجانے دو۔ اُسے بازار بھیج کر دودھ منگالینگے، دودھ سارا آج ہی ختم ہوا۔ ارے نہیں چچی بالکل نہیں، آپ حامد کو کہیں نہیں بھیجے گا وہ تو چائے کیلئے میں ایسے ہی کہہ رہا تھا۔ادھر کئی دنوں سے چائے سے پرہیز چل رہا ہے۔ڈاکٹر نے منع کر رکھا ہے۔اتنی دیر میں بھائی حامد بازار سے ہری دھنیا لیکر لوٹ آئے۔دیکھ لو اب کی شاید پودینہ بھول آیا ہو۔اُسے بھی منگوالو۔گارڈ صاحب نے طنز کا تیر چھوڑ دیا۔جی کیا کہا، چچی اندر سے کڑکی تھیں۔دوسرے مہا بھارت کے آثار صاف نمایاں تھے کہ میں نے حامد کا انٹرویو لینا شروع کر دیا۔حامد بھائی تم ریگولر پڑھائی چھوڑ کر پرائیویٹ امتحان میں کیوں بیٹھ رہے ہو۔گارڈ صاحب اٹھ کر اندر جا چکے تھے۔پھر فوراہی وہ دودھ کا خالی ڈبہ لیے گھر کے باہر جاتے ہوئے دکھائی دئے۔جی وہ بات دراصل یہ ہے کہ یہاں سختی بہت ہوتی ہے۔لڑکا ذرا سا بھی نقل نہیں کرسکتا۔اس لئے اس بار اپنے قصبہ کے کالج سے پرائیویٹ فارم بھرا ہے۔یعنی جتنا دل چاہے نقل کیجئے کوئی کچھ کہنے والا نہیں ہے۔لیکن جب تم بغیر پڑھے پاس ہوجاؤ گے تو آگے کیا کام کرپاؤ گے، جب تمہیں کچھ نہیں آئیگا تو تم کچھ نہیں کرسکو گے، تو کیا فائدہ ایسی نقل کر کے پاس ہونے سے، میں نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔اور وہ مجھے ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے وہ کہہ رہا ہو کہ کس بیوقوف سے پالا پڑا ہے۔بہرحال میں اُسے سمجھاتا رہا۔اور وہ مجھ سے الجھتا رہا۔اتنی دیر میں گارڈ صاحب دودھ لیکر آگئے

تھے۔ارے میاں تم بھینس کے آگے کیوں بین بجا رہے ہو۔ یہ چکنا گھڑا ہے اس کے کچھ سمجھ میں نہیں آئیگا۔اور میں نے سوچا یہ چکنا گھڑا بار بار اپنی گھڑی کیوں دیکھ رہا ہے۔اُسی وقت اندر سے چچی کی آواز آئی حامد چائے لے جاؤ باہر۔اور حامد اس تیزی سے کمرے سے باہر نکلے جیسے پستول سے گولی نکلتی ہو۔وہ چائے کی ٹرے لیکر آئے ۔ مجھے اور گارڈ صاحب کو انہوں نے چائے کہ پیالی تھمائی۔اور اِس سے پہلے کہ میں اُن سے کچھ اور پوچھتا یا سمجھا تا وہ جیٹ کی رفتار سے کمرے سے باہر نکل گئے۔ اب میں گارڈ صاحب سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ یہ حامد کہاں گیا ہے انہوں پھر ہانک لگائی۔کیا پھر بازار بھیج دیا۔آپ تو ہمارے پیچھے پڑ جاتے ہیں چچی بڑ بڑائیں۔ارے تو پھر کہاں گیا۔بتا کر تو کچھ بھی نہیں گیا۔لیکن بڑی خوشامد کر کے دس روپے مانگ کر لے گیا ہے۔اگر تین گھنٹے بعد واپس آئے تو سمجھ لینا پکچر گیا ہوگا۔ چچی نے بڑی معصومیت سے کہا ،گارڈ صاحب کی مونچھیں پھڑکنے لگیں۔ میں جلدی سے کرسی سے کھڑا ہو گیا۔اُن سے اجازت چاہی اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

اگلی اتوار کو میں گھر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ میرے دونوں پرانے پروجیکٹ تو فیل ہو گئے۔اب کس کو سمجھایا بجھایا جائے ۔یکا یک مجھے رقیہ پھوپھی کا خیال آ گیا۔رقیہ پھوپھی کافی بزرگ خاتون تھیں۔پورے محلے کی پھوپھی تھیں اسلیے میں بھی انہیں پھوپھی کہتا تھا۔اُنکے شوہر کو بھی مرے ہوئے کافی زمانہ ہو گیا تھا۔انکے کئی لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔لڑکیوں کی شادیاں پاکستان میں ہو گئی تھیں لڑکے بھی پاکستان چلے گئے تھے۔اور وہاں اچھا کاروبار کر رہے تھے۔صرف ایک لڑکا یہیں اُنکے پاس رہ گیا تھا۔جسکو اُنہوں نے خود ہی لاڈ پیار کر کے بالکل بگاڑ دیا تھا۔لیکن اب وہ اُس سے پریشان تھیں۔پڑھا لکھا تو اُس نے کچھ تھا ہی نہیں۔کام بھی کچھ نہیں کرتا تھا۔بس دن بھر اوباش قسم کے لڑکوں کے ساتھ گھوما کرتا تھا۔شراب اور جوے کا پورا عادی بن چکا تھا۔اور محلہ والوں کیلئے سر درد۔ میں نے سوچا یہ کیس ڈیل کیا جائے۔حالانکہ بے حد مشکل کام ہے۔سوچا۔ اُسنے پڑھا لکھا تو ہے نہیں۔اب دوبارہ پڑھنے کا کوئی سوال ہی نہیں کیونکہ اچھا خاصہ بڈھا ہو رہا ہے۔ہاں سنا تھا کہ اُس نے بجلی کا کام کہیں سیکھا ہے۔میرے ایک دوست الکٹریسیٹی بورڈ میں انجینیر ہیں۔اُن سے کہہ کر اُسے چھوٹے موٹے بجلی کے ٹھیکے دلوائے جاسکتے ہیں۔یہ سوچ کر میں گھر سے تیار ہو کر رقیہ پھوپھی کے یہاں پہونچ گیا۔جس وقت میں رقیہ پھوپھی کے یہاں پہونچا تو وہ اپنی ماں سے کسی بات پر جھگڑ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر بولا۔یا ہو زندہ باد۔آئی بیٹی یو۔اماں دیکھو یہ بھائی صاحب یہاں کیسے بھول پڑے۔کیونکہ میرا چھوٹا بھائی مجھے بھائی صاحب کہتا تھا۔اسلیے محلّہ کے سارے ہی لونڈے لپاڑی مجھے بھائی صاحب کہنے لگے تھے۔محلّہ والوں کا خیال تھا کہ یہ میری بے حد عزت کرتا ہے۔اور اُس وقت اُس نے اپنے حساب سے کافی عزت واحترام کے الفاظ سے میرا استقبال کیا تھا۔تو سمجھا جاسکتا ہے کہ جب وہ نارمل گفتگو کرتا ہوگا تو کس قسم کی ہوگی۔بہر حال میں نے اُس سے کہا کہ آج میں خاص طور سے تم سے ملنے آیا ہوں۔اِس سے پہلے کہ میں اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتا وہ بیچ میں بول پڑا!! کیا گوشمالی کا ارادہ ہے۔تو کان جتنی زور سے بھی کھینچے گا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔کیونکہ

جتنے بڑے بھائی اور بہنیں تھیں سب میرا کان کھینچ کر پاکستان چلے گئے۔ اور اگر پیٹھ پر مارے گا تو وہ بھی پتھر ہے۔ کیونکہ بابو بھی پچاسوں لکڑی کے چیلے میری پیٹھ پر توڑ کر جنت سدھار گئے۔ ہاں اب تو خالی اپدیش کار یہ ہو سکتا ہے۔ تو آپ اُپدیش دینا شروع کر دیں میں سننے کیلئے تیار ہوں۔ اُسکی باتوں سے میرا موڈ کافی حد تک خراب ہو چکا تھا۔ لیکن میں بہر حال ایک مشن پر نکلا تھا۔ اسلیئے میں نے اپنے موڈ کو زیادہ بگڑنے نہیں دیا۔ اور اُس سے کافی سنجیدگی سے بولا۔ اور میاں آج کل کیا مشغولیات ہیں۔ اُس نے اتنے ہی سنجیدگی سے جواب دیا جی، روڈ انسپکٹری کر رہا ہوں۔ میں نے سوچا یہ تو صرف ہائی اسکول ہے روڈ انسپکٹر کہاں سے ہو گیا۔ پھر خیال آیا کہ یہ روڈ انسپکٹر کون سی پوسٹ ہے۔ پولیس انسپکٹر سنا تھا۔ سپلائی میں بھی انسپکٹر وغیرہ ہوتے ہیں۔ یا اسکول کے انسپکٹر ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے مینو سپلٹی یا پی ڈبلو ڈی میں اِس طرح کی پوسٹ ہو۔ اور صفائی وغیرہ کرنے والوں کا انچارج بنا دیا گیا ہو، اُسی کو کہہ رہا ہو۔ میں نے دھیرے سے پوچھا کیا مینو سپلٹی میں لگ گئے ہو۔ اب اسکی اماں یعنی رقیہ پھوپھی نے ہنسنا شروع کر دیا۔ ارے تم بھی اِس لچے کی باتوں میں آ گئے۔ یہ جو سڑک پر مارا مارا پھرتا ہے اُسی کو روڈ انسپکٹری کہہ رہا ہے۔ اب اُس نے بھی ایک قہقہہ مار کر اپنی ماں کا ساتھ دیا اور میرا غصہ اب چھلکنے لگا تھا۔ میں نے اُسے کہا دیکھو، عرفان احمد الکٹریسیٹی بورڈ میں ایگزیکیٹیو انجینیر ہیں۔ گاندھی پارک کے پاس اُن کا دفتر ہے۔ میرے اچھے دوستوں میں سے ہیں اگر تم میرا نام بتا کر مل لو تو وہ تمہاری کافی مدد کر سکتے ہیں۔ مدد کیا وہ کرینگے پہلے تو وہ رشوت مانگینگے وہ مسکرا کر بولا۔ اور اُس کی مسکراہٹ مجھے زہر بھی زیادہ خراب لگی تھی، میں نے سوچا اگر میں یہاں ایک سکینڈ اور ٹھہر گیا۔ تو اُسکی آنگن میں جتنی لکڑیاں پڑی ہوئی ہیں اُسکی پیٹھ پر توڑ دونگا۔ اور اِس بات کی بالکل پرواہ نہیں کرونگا۔ کہ اسکی پیٹھ پہلے سے چیلے کھا کھا کر پتھر بن چکی ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور بولتا میں وہاں سے بغیر علیک سلیک کیے ہوئے چل دیا۔

گھر پہونچا تو کافی جھنجھلایا ہوا تھا۔ سوچا ابکی ماموں آئینگے تو ان سے ہاتھ جوڑ کر کہونگا کہ یہ کام میرے بس کا نہیں ہے۔ وہ سرسید کوئی اور ہی ہوا کرتے تھے۔ اس کے بعد پھر میں ان تینوں کے گھر دوبارہ نہیں گیا۔ ارے وہ میری باتوں کا اثر نہ لیتے۔ بات تو سن لیتے۔ ہر جگہ سے صاف انکار۔ جیسے اُنکو سمجھانے بجھانے نہیں گیا ہوں بلکہ کچھ ادھار مانگنے گیا ہوں۔ بہر حال میں قوم کی بگڑی حالت پر کافی مایوس ہو چکا تھا۔ اتنا مایوس کہ مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ مایوسی گناہ ہے۔ ایک مہینے بعد میرا تبادلہ دوسرے شہر میں ہو گیا۔ ہو سکتا تھا کہ میں اُس شہر میں بھی قوم کو سدھارنے کی ایک آدھ کوشش اور کرتا، لیکن اِس کا موقع ہی نہیں ملا کیونکہ اس بار مجھے گورنمنٹ کوارٹر مل گیا تھا اور آس پاس کالونی کے سارے ہی لڑکے پہلے ہی سے سدھرے ہوئے تھے۔ بہر حال وقت بیتتا گیا اور پانچ سال گزر گئے اور میں اپنے پرانے شہر میں پھر سے ایک پرموشن لے کر آ گیا۔ اس بار یہاں مجھے دوبارہ کرائے کا مکان نہیں لینا پڑا تھا۔ کیونکہ مجھے یہاں گورنمنٹ کی طرف سے ایک اچھا مکان مل گیا تھا۔ شروع کے دو چار روز تو میں کافی مصروف رہا۔ کچھ مکان کی شفٹنگ کی وجہ سے اور کچھ دفتر کی مشغولیت کی وجہ سے۔ بہر حال اتوار

آیا تو میں نے سوچا اپنے پرانے محلّہ چلوں اور دوست احباب وغیرہ سے ملا جائے۔ میں سب سے پہلے جاوید کے گھر گیا۔ اُسکے چھوٹے بھائی آصف کی خیریت پوچھنا مناسب نہیں سمجھا، سمجھ گیا تھا کہ کہیں فوٹو اسٹیٹ کی مشین میں ہوگا جب میں چلنے لگا تو جاوید بولا تھوڑی دیر اور بیٹھو آصف آتا ہوگا اس سے بھی مل لینا۔ تم سے ملنے کیلئے تو وہ بے چین رہتا ہے۔ میں نے پوچھا وہ کیا کر رہا ہے فوٹو اسٹیٹ۔ ارے نہیں بھائی جاوید نے بیچ ہی میں بات کاٹ دی۔ اُس دن تمہارے سمجھانے کے بعد تو آصیں زبردست انقلاب آ گیا۔ میں نے اُس سے کہا کہ ٹھیک میں تمہیں فوٹو اسٹیٹ کی مشین خریدوا دونگا تو بولا تحصیلدار صاحب جیسے قابل آدمی کا لڑکا جاہل رہ جائے۔ اسنے B.A. فرسٹ ڈویزن سے کرلیا ہے۔ اور اب انگریزی میں M.A. کا پہلا سال ہے۔ اس وقت آصف باہر سے آ گیا۔ اُسکے ہاتھ میں کمپٹیشن وغیرہ کی دو تین گائڈس تھیں۔ وہ آتے ہی میرے گلے سے لگ گیا تھا۔ میں نے اُس کو ان پانچ سالوں میں اِس زبردست کامیابی پر شاباشی دی۔ وہ بولا بھائی صاحب یہ سب آپکی وجہ سے ہے۔ میں نے I.A.S. کا فارم بھرا ہے۔ امتحان ہونے والے ہیں دعا کیجئے کامیابی ملے، میں نے اُس سے کہا ملے گی انشاءاللہ ضرور ملے گی۔ ہاں یہ بتاؤ یہ گارڈ صاحب کا لڑکا حامد جو تھا۔ وہ کہاں ہے کیا کر رہا ہے۔ جی اُس نے انجینئرنگ کا ڈپلوما کیا تھا اب کسی عرب ملک میں ہے۔ میں اب گارڈ صاحب کے گھر پہونچ گیا۔ گارڈ صاحب مجھے کافی دیر سینے سے لگائے رہے۔ پھر جب انھوں نے مجھے چھوڑا تو میں نے پوچھا حامد میاں نظر نہیں آ رہے ہیں کیا چچی نے انہیں بازار بھیجا ہے۔ گارڈ صاحب نے ایک فلک شگاف قہقہ لگایا۔ ارے وہ تو سعودی عربیہ چلا گیا۔ تمہیں بہت یاد کرتا ہے وہاں انجینئر ہے، انجینئر، گارڈ صاحب کافی فخر سے بولے۔

میں گارڈ صاحب کے گھر سے جب نکلا تو سوچنے لگا یہ کیا انقلاب ہے۔ اب مجھے اپنے تیسرے کیس کی فکر ہو رہی تھی۔ میں جلد سے جلد رقیہ پھوپھی کے لڑکے کے بارے میں جاننا چاہا، کافی بگڑا کیس تھا۔ وہاں بھی کوئی انقلاب نظر آ جائے مجھے کوئی خاص امید نہیں تھی۔ میں جب اُس گلی میں داخل ہوا جہاں رقیہ پھوپھی کا چھوٹا سا کوٹھری نما مکان تھا وہاں مجھے ایک کافی خوبصورت مکان بنا نظر آیا۔ وہیں پاس کھیلتے ہوئے ایک لڑکے سے میں نے پوچھا یہ کس کا مکان ہے۔ ٹھیکیدار صاحب کا مکان ہے اُسنے جواب دیا۔ میں نے سوچا یہ ٹھیکیدار کہاں سے آ گیا۔ یہاں تو رقیہ پھوپھی کا ٹوٹا پھوٹا مکان تھا۔ ماجرا کیا ہے یہ سوچ کر میں نے مکان کی کنڈی کھٹکھٹا دی۔ دروازہ ایک کافی معقول قسم کی عورت نے کھولا۔ یہاں ایک رقیہ پھوپھی رہا کرتی تھی۔ وہ کہاں چلی گئی میں نے اُس سے دریافت کیا۔ رہا کرتی تھیں وہ مجھے حیرت سے دیکھنے لگی۔ جی یہ تو اُنہی کا مکان ہے۔ اور وہ یہیں رہتی ہیں۔ تو پھر آپ کون ہیں۔ معاملات میرے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ میں انکی بہو ہوں، وہ کچھ رک کر بولی۔ پھر اُس نے پوچھا آپ کو اماں سے ملنا ہے آپ بیٹھیے میں اماں کو بتاتی ہوں۔ آئی، یہ کس سے آنکھ مٹکہ ہو رہا ہے۔ رقیہ پھوپھی کا لڑکا باہر آ گیا۔ ارے بھائی صاحب پھر وہ اتنی تیزی سے آ کر میرے گلے لگ گیا کہ میں مضبوطی سے نہ کھڑا ہوتا تو پیچھے اُلٹ جاتا۔ پھر مجھے چھوڑ کر اپنی بیوی سے بولا۔ ارے سلام کرو، سلام کرو۔ اور یہ کیا، دوپٹہ

قاعدے سر پر ڈالو۔ یہ ٹھیکیدار صاحب ہیں تمہارے۔ اُسکی بیوی کافی سٹپٹا گئی پھر وہ مجھے گھر کے اندر لے آیا میں رقیہ پھوپھی سے ملا۔ بھیا میں تمھارا احسان زندگی بھر نہیں بھول سکتی۔ تم نے اِس بچے کو راستے سے لگا دیا۔ وہ بڑی محبت بھری نظروں سے اپنے بیٹے کو دیکھ رہیں تھیں۔ ہاں بھائی صاحب آپ نے میرا جیون سنوار دیا۔ وہ ہلکے سے مٹک کر بولا ۔ یہ آپ کیسے بولتے ہیں اسکی بیوی بڑبڑائی۔ ارے جا اپنا کام کر دیکھتی نہیں بھائی صاحب آئے ہیں۔ جا جلدی سے چائے پانی شربت کا انتظام کر اُسنے ہلکے سے اپنی بیوی کے دھپ لگائی ۔ دن بھر ایسے ہی اپنی بیوی سے چہل کرتا رہتا ہے۔ رقیہ پھوپھی نے مجھ سے شکایت کی۔ تم ٹھیکیدار کب سے بن گئے، میں نے اُس سے پوچھا۔ ارے نثار جاؤں آپ پر اور آپکے دوست عرفان بھائی پر۔ اُنکی بدولت خوب، ٹھیکے پر ٹھیکے مل رہے ہیں۔ کتنی ہی بڑی بڑی بلڈنگوں کی بجلی کی فٹنگ ہم کر چکے ہیں اتنی دیر میں اُسکی بیوی نے چائے اور بہت سی چیزیں میز پر لگا دی۔ ارے خالی چائے پر ٹال رہی ہو۔ ہمارے بڑے بھائی صاحب ہیں کھانا کھا کر جائینگے، جا رہا ہوں کہیں سے مرغا پکڑ کر لاتا ہوں۔ بھائی صاحب آپ جب تک چائے پیجئے میں ابھی مرغا لیکر آیا۔ میں اُسے روکتا رہ گیا ۔ لیکن وہ گھر سے نکل چکا تھا۔ ارے لچا مرغا پکڑ کر تھوڑی لائے گا خرید کر لائیگا۔ رقیہ پھوپھی نے وضاحت کی۔ میں نے سوچا واقعی بالکل لچا ہے۔

رات کافی ہو چکی تھی۔ میں بستر پر لیٹا لیٹا اپنے تینوں کیس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کس قدر کامیابی ملی مجھے۔ میری صرف تین دن کی محنت میں تین بگڑے راہ راست پر آ گئے ۔ واقعی اگر ہر پڑھا لکھا آدمی اس قسم کی کوشش کرے تو یہ قوم کتنی ترقی کرے۔ اور اُس سے ملک کو کتنا فائدہ پہونچے۔

10 / 8th Road North
Ahmadi 61008 Kuwait
Email : waseemsiddiqi@hotmail.com